اخبار امت

افغانستان: نئی امیدیں ' نئے خطرات

عبد الغفار عزیز

زخموں سے چور افغانستان ایک بار پھر اپنی تاریخ کے اہم موڑ پر کھڑا ہے۔ چار برس سے باہم متصادم فریق اب باہم گفت و شنید کے ذریعے اپنے اختلافات طے کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تصادم کے دو اہم فریقوں جمیعت اسلامی (پروفیسر برہان الدین ربانی) اور حزب اسلامی (انجینئر گلبدین حکمتیار) نے امیر جماعت اسلامی پاکستان قاضی حسین احمد کو مشترکہ دعوت دی ہے کہ آپ جہاد کے ہر مرحلے میں ہمارے ساتھ رہے ہیں۔ اب ایک بار پھر کوشش کیجیے کہ افغانستان میں جنگ کی یہ آگ بجھ جائے۔ اس وقت پہلی بار یہ محسوس ہو رہا ہے کہ متخاصم فریق باہم صلح کے لیے پورے خلوص سے آمادہ ہیں۔ کیونکہ گزشتہ لڑائیوں کے بعد سب کو یہ یقین ہو چکا ہے کہ فریق مخالف کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی کوششوں کے ذریعے افغان مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بات چیت اور تقسیم اختیارات کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔

۱۹۹۲ میں جب نجیب حکومت کا خاتمہ ہو رہا تھا تو سالہا سال سے نظر آنے والا یہ خطرہ سنگین سے سنگین تر ہو رہا تھا کہ روس کی حلیف حکومت کے خاتمے کے بعد مجاہد تنظیموں کے باہمی اختلافات افغانستان کو باہمی لڑائی کی آگ میں نہ جھونک دیں۔ اس صورت حال کا ادراک کرتے ہوئے دنیا بھر سے جہاد سے مخلص مسلم رہنما پشاور میں آکر جمع ہوئے کہ سوویت یونین اور سوشلزم کو قصہ پارینہ بنا دینے والے افغان مجاہدین خود اس فتح کے ثمرات سے محروم نہ ہو جائیں۔ قاضی حسین احمد اس وقت تقریباً ایک ماہ تک پشاور میں متحرک رہے اور افغان زعما اور پاکستانی ذمہ داران حکومت سے ملاقاتیں کر کے یہی سعی کرتے رہے کہ کسی نہ کسی طرح دونوں بڑی افغان تنظیموں جمیعت اسلامی اور حزب اسلامی کے ساتھ دوسری پانچوں افغان تنظیموں کو متحد کر دیا جائے۔ عین اسی وقت عالمی قوتیں اس امر کے لیے کوشاں تھیں کہ افغانستان میں اسلامی حکومت کا قیام ناممکن بنا دیا جائے اور جو بے تحاشا اسلحہ روسیوں نے پیچھے چھوڑا ہے اسے افغانوں کی باہمی جنگ میں خاکستر کرتے ہوئے مجاہدین اور ان کے

اسلحے دونوں سے جان چھڑالی جائے۔ اس مقصد کے لیے سب سے آسان نسخہ یہ تھا کہ افغانستان کی دونوں بڑی تنظیموں میں سے کسی ایک کو مجوزہ حکومت سے باہر کر دیا جائے۔ اپریل ۹۲ میں اس سازش کے بیج یوں بوئے گئے کہ حزب اسلامی (گلبدین حکمتیار) کو کابل سے باہر رکھا جائے اور حزب اور جمعیت کے درمیان صلح و اتحاد کی کسی کوشش کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ وہ دن اور آج کا دن، اب تک پوری افغان قوم، پاکستان اور امت اسلامیہ اس سازش کے کسیلے پھل کاٹ رہی ہے۔ سولہ سالہ روسی تسلط کے دوران افغانستان کے اکثر علاقے زمین بوس ہو چکے تھے۔ کابل اور دوسرے جو چند علاقے باقی بچے تھے وہ ان چار سالوں میں خاکستر ہو گئے۔ اس دوران صلح و اتحاد کی مختلف کوششیں ہوتی رہیں۔ تقریباً سب اسلامی تحریکوں نے اپنے اپنے وفود کے ذریعے مجاہدین کو ایک کرنے کی کوشش کی۔ اس دوران باہمی صلح کے لیے کئی مسودے تیار ہوئے۔ ایک ایک شق کے لیے کابل اور چہار آسیاب کے درمیان دسیوں چکر لگائے اور پھر ان مسودوں کی بنیاد پر اسلام آباد میں ایک معاہدے کا اعلان بھی ہو گیا۔ مکہ مکرمہ اور تہران میں بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کی گئی لیکن افغانستان کے اندر اور باہر موجود ان سازشی عناصر نے اس معاہدے پر عمل درآمد نہ ہونے دیا جو چاہتے تھے کہ افغانستان میں امن و امان قائم نہ ہو، اور وسطی ایشیا کے مسلمانوں کے افغانستان کے راستے پاکستان اور عالم اسلام سے منسلک ہونے سے مسلمانوں کے عروج کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو جائے۔

اس دوران اقوام متحدہ نے بھی افغانستان میں صلح کے لیے کوششیں کیں، لیکن ان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو اپنی امن پسندی کا ثبوت دیا جا سکے اور اس طرح ان عالمی سازشوں کو بھی پردہ مہیا کیا جائے جو افغانستان میں باہمی لڑائی کو مزید جڑ کاٹنے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ افغانستان میں جہادی روحانی لذت سے آشنا ہو جانے والے امت مسلمہ کے نوجوانوں کے آیندہ عزائم کے راستے مسدود کیے جائیں۔ اس آرزو میں تڑپنے والے نوجوان جو فلسطین، کشمیر، بوسنیا اور دیگر اسلامی خطوں میں اپنی جان سے گزر جانے کے لیے تیار ہیں، مغرب کو "دہشت گرد" نظر آتے ہیں۔

ان خطرات کے مداوے کے لیے ضروری تھا کہ باہمی جنگ کے خاتمہ کے لیے کوششیں کی جائیں۔ ۱۹۹۶ کے آغاز تک یہ کوششیں کامیابی کی کسی امید سے آشنا نہیں ہو سکی تھیں۔ ۹۶ کے آغاز میں انھی دو بڑی افغان قوتوں کی طرف سے صلح کی خواہش کا اظہار و اعادہ کیا گیا جنھیں ۹۲ اور اس سے قبل باہم ملانے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں۔ قاضی حسین احمد کو دعوت دی گئی کہ آپ دوبارہ افغانستان تشریف لائیں اور پہلے جمعیت اسلامی اور حزب اسلامی کے درمیان صلح کی سعی کریں اور پھر ان دونوں کی طالبان کے ساتھ یک جائی کی کوشش کریں۔ قاضی صاحب نے پہلے اپنے مختلف وفود بھیجے۔ اور پھر اپریل ۹۶ کے وسط میں خود افغانستان آ گئے۔ پہلے جلال آباد میں انجینئر حکمتیار سے ملے،

پھر صدر ربانی کے خصوصی طیارے میں کابل آئے جہاں صدر ربانی' انجینئر احمد شاہ مسعود' شیخ سیاف' حزب وحدت کے رہنماؤں' سلفی رہنما مولوی سمیع اللہ اور دیگر تمام موجود رہنماؤں سے تفصیلی مذاکرات کیے۔

یہ پہلی بار تھا کہ سب مجاہد لیڈروں نے سابقہ روایات سے ہٹ کر رویہ اختیار کیا اور اپنے مطالبات پہ اصرار کے بجائے دوسروں کے لیے اپنے حقوق سے دستبرداری کا عندیہ دیا۔ ان مذاکرات کے نتیجہ میں جمعیت اسلامی اور حزب اسلامی کے درمیان متعدد امور پہ اتفاق رائے ہو چکا ہے۔ لیکن افغانستان کے مکمل امن و استحکام کا انحصار اب صرف ان دونوں تنظیموں کے اتحاد پر منحصر نہیں ہے بلکہ کچھ عرصہ قبل ابھرنے والی تنظیم طالبان بھی اب افغان مسئلے کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس لیے صدر ربانی اور انجینئر حکمتیار باہم قریب آنے کے بعد اس امر پر غور و خوض کر رہے ہیں کہ طالبان کو ساتھ ملا کر اتحاد و صلح کی ایک مضبوط مثلث تشکیل دی جائے۔ قاضی صاحب کا تجزیہ یہی ہے کہ کوئی فریق بھی دوسرے فریق کو ملیامیٹ کر کے مسئلہ افغانستان کو حل نہیں کر سکتا۔ حتمی حل کے لیے تمام فریقوں کو جلد یا بدیر بات چیت اور صلح و اتحاد پر مجبور ہونا پڑے گا۔ بصورت دیگر سارے فریق ناکام رہیں گے اور کامیاب صرف اسلام دشمن قوتیں ہوں گی۔

اس صورت حال میں تحریک طالبان کے سامنے تین ممکنہ راستے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ صلح کی ان کوششوں میں شریک نہ ہوں اور جنگ پر ہی اصرار کریں۔ اس صورت میں طالبان کو جمعیت اور حزب کی مشترکہ قوت کا سامنا کرنا پڑے گا اور عین ممکن ہے کہ ابھی تک کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنے والے طالبان جس تیزی سے ابھرے ہیں اسی تیزی سے ختم ہوتے چلے جائیں۔ یہ خطرہ اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس وقت طالبان کی صفوں میں انتشار میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس نعرے پر ان کا ساتھ دیا تھا کہ ہم باہم متصادم جماعتوں سے افغانستان کو نجات دلا دیں گے وہ اب سوال کر رہے ہیں کہ جب متصادم فریق باہم صلح کر رہے ہیں تو ہم لڑائی کا کیا جواز رکھتے ہیں۔ یہ اضطراب بھی بڑھ رہا ہے کہ ان تنظیموں نے کسی کفر بواح کا ارتکاب تو نہیں کیا' اس صورت میں ہم صرف اپنی حکومت کے قیام کے لیے کیوں جنگ پر اصرار کریں۔ بہت سے طلبہ اپنی کامیابی ناممکن دیکھتے ہوئے اپنی نامکمل تعلیم مکمل کرنے پر اصرار کر رہے ہیں کہ ہم ایک طویل' بے فائدہ اور شرعی بنیاد نہ رکھنے والی جنگ کی خاطر اپنا مستقبل کیوں تاریک کریں۔ انتشار کی اس کیفیت میں طالبان کے لیے یہ فیصلہ دشوار ہو گا کہ وہ صلح کے بجائے جنگ پر ہی اصرار کریں۔

تحریک طالبان کے لیے دوسرا راستہ یہ ہے کہ وہ باہم قریب آتی ہوئی افغان تنظیموں کی صلح کی پیشکش قبول کر لیں اور افغانستان میں امن و استحکام اور مشترکہ حکومت کے قیام کے سنہری موقع کو

ضائع نہ ہونے دیں۔ طالبان کے ساتھ گہری وابستگی رکھنے والی حکومت پاکستان کی طرف سے بھی اسی راستے کو سراہنے کے اشارے دیے جارہے ہیں۔

طالبان کے لیے تیسرا راستہ یہ ہے کہ وہ دونوں تنظیموں کی صلح کی پیشکش کو قبول نہ کریں اور دونوں کی مشترکہ قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے جنرل دوستم سے اتحاد کرلیں۔ یہ فیصلہ طالبان اور افغان قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہوگا۔ اس سے ایک تو طالبان کی اپنی قوت بکھر جائے گی اس لیے کہ اسلامی سلطنت کے نعرے پہ مجتمع ہونے والے طالبان دوستم سے اتحاد کو تنظیم کی اساس اور اصل ہدف سے روگردانی قرار دیتے ہوئے اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور دوسرے یہ کہ اس اتحاد کے وجود میں آنے کے بعد افغانستان کی تقسیم کی بنیاد مضبوط تر ہوجائے گی۔

اس اہم موڑ پر سب سے اہم کردار پاکستانی حکومت کا ہے۔ اگر وہ ایک بار پھر نواز شریف والی غلطی کا ارتکاب کرتے ہوئے افغان تنظیموں کو ملانے کی کوشش کرنے کے بجائے انھیں پھر لڑائی کی طرف دھکیل دے اور پاکستان کو ان تمام روشن امکانات سے محروم کردے جو صرف افغانستان کے امن و امان سے وابستہ ہیں تو افغانستان اور پاکستان پھر سالہا سال کے لیے عدم استحکام کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اس وقت پاکستانی حکومت کے لیے موقع ہے کہ وہ دونوں قریب آتی ہوئی افغان تنظیموں کو مزید قریب تر کردے اور دونوں کے تعاون میں اب بھی جو بے اعتمادی اور مشکلات حائل ہیں انھیں دور کرنے کی تگ و دو کرے اور اس طرح افغانستان میں مزید اثرونفوذ کے خواب دیکھنے والے بھارت کی راہ مسدود کردے۔ بھارت نے گزشتہ عرصے میں پاکستان اور افغان حکومتوں کے درمیان پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کو مزید بڑھانے کی پوری کوشش کی ہے اور اس صورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے قدم مضبوط کرنے کی بھی۔ کابل میں قائم پاکستانی سفارت خانے پر حملے اور پشاور میں پھٹنے والے بم کے واقعات کی تحقیق کرنے والوں کے ہاتھ اب یہی سراغ آرہا ہے کہ ان واقعات کے پیچھے اصل ہاتھ بھارت کا تھا اور اس نے ان واقعات کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بھرپور طور پر استعمال بھی کیا ہے تاکہ پاکستان و افغانستان جو دوران جہاد یک جان دو قالب کی حیثیت اختیار کرچکے تھے، انھیں ایک دوسرے سے دور کیا جائے۔

اب یہ حکومت پاکستان کی دانش مندی کا امتحان ہے کہ وہ اپنے ازلی دشمن کی چالوں کا ادراک کرتے ہوئے افغانستان کی حکومت سے اپنے اختلافات کو انا کا مسئلہ نہ بنا کر اس سنہری موقعے سے فائدہ اٹھا کر پاکستان و افغانستان کے استحکام کی پالیسی اپناتی ہے یا حکومت پاکستان بھی تقسیم افغانستان کے اسی ناپاک منصوبے کو کامیاب کرنے کی سازش کا حصہ بنتی ہے جس کے تحت شمال میں دوستم اور مغرب و جنوب مغرب میں طالبان کو علاحدہ علاحدہ ریاستوں میں بانٹ دینے کا خواب دیکھا جارہا ہے۔

آنے والے چند روز اس لحاظ سے بے حد اہم ہیں کہ ان میں جمعیت و حزب (ربانی، حکمتیار) کے درمیان اتحاد کی کوششوں کے نتائج بھی سامنے آنا ہیں کہ وہ اس میں حائل گراں رکاوٹوں کو دور کر پاتے ہیں یا نہیں۔ انھی دنوں میں طالبان کو دونوں تنظیموں کی صلح کی پیشکش کا جواب دینا ہے کہ وہ افغانستان کے سنہری دور کے آغاز کا باعث بنتے ہیں یا افغانستان اور خود اپنے وجود کو نئے خطرات سے دوچار کر دیتے ہیں۔ پاکستانی حکومت کی طرف سے پالیسی کے تعین کا انتظار ہے کہ وہ امن، صلح اور استحکام کے روشن امکانات کو کامیاب بنانے کی سعی کرتی ہے یا وہ بھی سابقہ حکومت کی طرح ان کوششوں میں روڑے اٹکا کر تاریخ کے صفحات میں ایک نئے سیاہ باب کا اضافہ کر دیتی ہے۔

حکومت پاکستان کے پاس اپنی پالیسی طے کرنے کے لیے بہت تھوڑا وقت بچا ہے کیونکہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور عالمی قوتوں کی کوشش ہے کہ افغانستان میں امن کی جانب بڑھتے قدم پھر سے پلٹ جائیں اور طالبان کو دو قریب آتے بھائیوں کے اتحاد سے خوفزدہ کر کے ایک نئی جنگ مسلط کر دی جائے۔

جوہر داؤدے کے بعد

مسلم سجاد

گروزنی شہر سے ۳۵ کلومیٹر جنوب مشرق میں قصبہ Gekhichu میں ۲۱ اور ۲۲ اپریل کی درمیانی شب امت مسلمہ کے اس دور کے رجل عظیم صدر جوہر داؤدے کی شہادت، احیائے اسلام کے "خطرے" سے نبٹنے کے لیے روس اور امریکہ کی متحدہ کوششوں اور سازشوں کا علامتی اظہار تھی۔ باوثوق ذرائع کی اطلاع کے مطابق چیچن جدوجہد آزادی کے اس عظیم رہنما کو منظر سے ہٹانے کا فیصلہ صدر کلنٹن اور صدر یلسن کی گذشتہ ونٹوون ملاقات میں ہوا۔ دسمبر ۹۴ میں صرف دو ہفتوں میں مسئلہ حل کر دینے کے دعووں کے ساتھ روسی فوج کا چیچنیا پر حملہ بھی اس سے قبل بوڈاپسٹ کانفرنس میں امریکہ اور برطانیہ سے آشیرباد حاصل کر کے کیا گیا تھا جب کہ روسی پارلیمنٹ ڈوما اور فوجی قیادت کا موثر حصہ قفقاز کے ماضی کی تابناک روایات جہاد کی بنیاد پر اس مہم جوئی کے خلاف تھا۔

روس اور امریکہ کی عظیم طاقتوں کو دس بارہ لاکھ آبادی کی اس ننھی منی ریاست سے ایسا کون سا خطرہ درپیش ہے کہ اسے مطیع فرمان بنانے کے لیے ہر طرح کے اسلحہ سے لیس ۴ لاکھ فوج میدان میں اتار دی گئی ہے جس نے شہری آبادیوں پر رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم کیے ہیں۔ دراصل مغرب کے حکمراں، ہمارے حکمرانوں کی طرح کوتاہ نظر اور اپنی قوم اور تہذیب کے مفادات سے بے نیاز نہیں ہیں۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد اس دنیا کو اپنی تہذیب کے لیے مسخر کرنے میں جو سب سے